چوڑیاں

سیّد حماد رضا بُخاری

چوڑیاں

(ڈرامہ)

حماد رضا بخاری

(جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ ہیں)

نام کتاب	چوڑیاں
مصنف	سیّد حماد رضا بُخاری
پروف ریڈنگ	شہناز نگینہ بُخاری
کمپوزنگ	حماد بُخاری
طبع اوّل	مئی ۲۰۰۰ء
تعداد:	۱۰۰۰
قیمت:	

ای میل مؤلف:hrbukhari@hotmail.com
فون نمبر مصنف:0300 9655650

بخاری پبلیشرز

ہجویری ٹاؤن، لاہور

فون نمبر:+92 300 9655650

ابتدائیہ

اگرچہ میں نے مختلف موضوعات پر کچھ کتابیں لکھی ہیں مگر میں ڈرامہ نگار نہیں ہوں۔ زیرِ نظر ڈرامہ ''چوڑیاں'' میرا پہلا ڈرامہ ہے جس کا جنم دراصل ایک گانے سے ہُوا۔ جی ہاں، واقعی ایسا ہی ہے۔ (واضح رہے کہ اُن دنوں سیّد نور کی فلم چوڑیاں ابھی نہیں بنی تھی۔)

ہم تین دوست دوپہر کا کھانا اکھٹے کھایا کرتے تھے۔ میں، راجہ ظفر اور نجیب غفران۔ راجہ ظفر کی آواز بہت سریلی تھی اور وہ اکثر کھانے کے بعد کوئی گیت سنایا کرتا تھا، نجیب غفران میز کو اس خوبصورتی سے بجاتا تھا کہ اک سماں بندھ جایا کرتا تھا۔ ایک دن راجہ ایک بہت پرانا پنجابی لوک گیت گنگنانے کی کوشش کررہا تھا۔ وہ انترا گاتا اور آگے بھول جاتا بلکہ یوں کہیے کہ وہ ایک ہی شعر دُہرار ہا تھا:

اک تُوں ہوویں اک میں ہوواں
اک وکھری جئ کوئی تھاں ہووے

راجہ تھک ہار کر کہنے لگا، ''یہ گیت مجھے بہت پسند ہے مگر افسوس میں بھول گیا ہوں، یہ ہے بھی اتنا پرانا کہ کہیں سے ملنا بھی ممکن نہیں، کاش میں شاعر ہوتا اور اسی بحر پر نیا گیت لکھتا اور گاتا۔''

مجھے شاعری سے بہت لگاؤ ہے، راجہ کے گائے انترے نے دل کے تار چھیڑ دیے اور اُسی وقت یعنی فی البدیہہ یہ گیت تیار ہو گیا:

پنجابی گیت

اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
گُل بُوٹے ہوون ہر پاسے
وچ ٹھنڈی مٹھی چھاں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

تُوں بُھل جاویں سب دُکھ اپنے
میں واراں تیتھوں سُکھ اپنے
نا ویکھیں مُڑ کے غم تُوں ویں
نا سوچاں میں وی دُکھ اپنے
ہُن ساہ وی اپنے ساجھے نے
ہُن ساجھے سارے دُکھ اپنے
اک دوجے وِچ ہن ساہ ہوون
اک دوجے وچ ای جاں ہووے

اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

آ ہسیے مِل کے ہاسے نی
نا ویکھیے آسے پاسے نی
نا آساں رکھیے لوکاں تے
جیڑھے جھوٹے دین دلاسے نی
چل چلیے دُور زمانے تُوں
جتھ نا کوئی انساں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

تُو وچھڑی کیناں راواں وِچ
میں لبدا تینوں باواں وِچ
تن لبدے لبدے ڈُب جانا
ہنجواں دے دریاواں وِچ
جے ہتھ وچ تیرا ہتھ ہووے
مینوں مرنا وی آساں ہووے

اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

اکھاں لگیاں سجناں راہواں تے
میں آیا آخر ساواں تے
اج بیٹھے بیٹھے مر جانا
سڑدیاں بلدیاں راہواں تے
اج دل کردا اے تُوں ہوویں
تیری زُلفاں دی اوچھاں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

راجہ ظفر کی باچھیں کھل گئیں اور اُس نے اُسی وقت یہ گیت گانا شروع کردیا۔ نجیب نے پلیٹ بجانی شروع کردی، میں نے چمچ کے ساتھ گلاس سنبھال لیا، اور راجہ نے سماں باندھ دیا.....

ایک رات ڈی گراؤنڈ میں گھوم رہے تھے کہ ایک پلازے کی دوسری منزل سے موسیقی کی تیز آواز کانوں میں پڑی۔ وہاں کوئی میوزک گروپ والے

ریہرسل کر رہے تھے۔ ہمارے قدم رک گئے، ہم تینوں کے ذہن میں بیک وقت ایک ہی خیال سرسرایا۔۔۔ اور ہمارے قدم میوزک گروپ والوں کے فلور کی طرف اُٹھ گئے۔

ہم وہاں پہنچے تو وہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ شاید ہمیں کوئی پروگرام کروانا ہے مگر میں نے اُنہیں یہ کہہ کر چونکا دیا، ''فلم کی موسیقی دو گے؟''

''فلم کی موسیقی؟'' اُن کا گروپ لیڈر حیرانی سے بولا۔

''ہاں، ہم ایک ٹیلی فلم بنانے جا رہے ہیں، نیچے سے گزر رہے تھے کہ تمہاری موسیقی سن کر اِدھر چلے آئے۔ اچھا بجا لیتے ہو۔'' میں نے کہا۔

اُن میں ہلچل سی مچ گئی۔ کہنے لگے، ''یہ تو ہمارے لئے بڑا اعزاز ہو گا جناب!۔'' پھر اُس فلم پر بات چیت شروع ہو گئی۔ نجیب نے بات کو سمیٹتے ہُوئے کہا کہ فلم کا تھیم سونگ بجا کے دکھاؤ، یہ ہمارے ساتھ سنگر ہیں راجہ ظفر صاحب، یہ گاتے ہیں، دھن سمجھ لو اور بجاؤ۔''

وہ فوراً تیار ہو گئے، راجہ نے مائک سنبھالا، گیت گنگنایا، دھن سیٹ ہوئی اور پھر تھوڑی دیر بعد موسیقی کے ساتھ گائے جانے والے اُسی گیت نے ہم سب کو دم بخود کر دیا۔

ہم وہاں سے لوٹے تو حقیقتاً فلم بنانے کا پروگرام بننے لگا۔

نجیب کہنے لگا کہ بخاری صاحب! آپ فلم لکھیں۔

ہمارے پاس بہترین کیمرے بھی لوازمات کے ساتھ موجود تھے، حلقۂ احباب میں اس طرح کے شوق رکھنے والے بھی موجود تھے، پس یہ طے پایا کہ تمام تر فلم ہم سب دوست مل کر خود بنائیں گے، ڈائریکٹر بھی ہم، پروڈیوسر بھی ہم، رائٹر بھی ہم، اداکار بھی ہم، ایڈیٹنگ اور مکسنگ بھی خود کریں گے صرف موسیقی اُس گروپ سے لیں گے۔

چنانچہ، یہ ڈرامہ ''چوڑیاں'' وجود میں آیا۔

اُن دنوں ہمارے زیرِ استعمال جو کمپیوٹر تھے، اُن میں اُردو لکھنے کی سہولت موجود نہیں تھی یا ہم اُس سے نابلد تھے اس لئے یہ ڈرامہ میں نے انگریزی میں لکھا۔ اس سے پہلے کہ اس کا ترجمہ اردو میں کرتے، بدقسمتی سے ہم تینوں دوست روزگار کے چکروں میں بچھڑ گئے اور ہماری فلم بنانے کی خواہش ادھوری رہ گئی۔

آج سوچا کہ چلو اس کا ترجمہ کر کے پرانی یادوں کو تازہ کر لیں۔

سید حماد بُخاری

فیصل آباد

۱۱ مئی، ۲۰۰۰ء

کردار

نُوریر حمو

نُوری

سلطان

کریم باؤ

کرمو

سپاہی 1

سپاہی 2

سپاہی 3

سنار

نشئی 1

نشئی 2

راجو

اور نذیر بابا

پہلا منظر:

پردے پر کسی قصبے کی حوالات کا منظر نمودار ہوتا ہے۔ حوالات میں صرف ایک ہی قیدی ہے جو گھٹنوں میں سر دیے مایوسی کے عالم میں بیٹھا ہے۔ یہ کریم باؤ ہے (درمیانی عمر کا ایک پڑھا لکھا نظر آنے والا شخص جو عام سے لباس میں ہے) حوالات کا بھاری دروازہ ہلکے سے شور کے ساتھ کھلتا ہے۔ کریم باؤ سر اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھتا ہے۔ ایک سپاہی ایک نوجوان دیہاتی ''رحمو'' کو (جس کے چہرے پر پولیس تشدد کے نشان، گلے میں سیاہ چمڑے میں منڈھا ہُوا تعویز، بدن پر پھٹی ہوئی پرانی سی قمیض اور دھوتی اور کندھے پر ایک بوسیدہ صافہ ہے) نفرت سے حوالات میں دھکا دیتا ہے۔ رحمو، کریم باؤ کے سامنے گرنے لگتا ہے۔ کریم باؤ لپک کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیتا ہے۔ سپاہی نفرت سے رحمو کی طرف دیکھتا ہے اور بڑبڑاتا ہے:

سپاہی: حرامزادے! تُو آج بھی نہیں مانا، مگر کب تک؟ آخر تجھے بکنا ہی پڑے گا۔

(سپاہی واپس مڑتا ہے اور حوالات کے دروازے کو باہر سے تالا لگا دیتا ہے۔)

کریم باؤ: رحمو! تم مان کیوں نہیں جاتے کہ تم نے وہ چوڑیاں لوٹی ہیں؟

کب تک اِن پُلسیوں کی مار کھاتے رہو گے یار؟ تم نہیں جانتے اِن کی مار کھا کر تو پتھر بھی بول پڑتے ہیں۔

(کریم باؤ اپنا ہاتھ شفقت سے رحمو کے کندھے پر رکھتے ہُوئے کہتا ہے۔)

رحمو: میں نے چوڑیاں نہیں لوٹیں کریم باؤ!

(رحمو، سر اُٹھا کر مظلومیت سے کریم باؤ کی طرف دیکھ کر کہتا ہے۔)

کریم باؤ: اگر تم نے نہیں لوٹیں تو پھر انہوں نے تمہیں پکڑ کیوں رکھا ہے؟

(کریم باؤ کا لہجہ قدرے اُلجھا ہُوا سا لگتا ہے۔)

رحمو: مجھے نہیں پتا کریم باؤ!

(رحمو کھوکھلے سے اندز میں جواب دیتا ہے۔)

کریم باؤ: چوڑیاں کہاں ہیں؟

(کریم باؤ معنی خیز انداز میں رحمو کی طرف دیکھتے ہُوئے کہتا ہے۔)

رحمو: مجھے کیا پتا چوڑیاں کہاں ہیں؟

(رحمو، کریم باؤ سے نظریں چراتے ہُوئے کہتا ہے۔)

کریم باؤ: اگر تم واقعی نہیں جانتے کہ چوڑیاں کہاں ہیں اور تم نے سچ مچ ڈکیتی نہیں کی تو پھر تم چھوٹ جاؤ گے، کوئی تمہیں جیل نہیں بھیج سکتا۔

رحمو: میں چھوٹ جاؤں گا کریم باؤ؟ وہ کیسے؟

(رحمو بیتابی سے پوچھتا ہے۔)

کریم باؤ: سیدھی سی بات ہے، اگر پولیس چوڑیاں برآمد نہ کر سکی تو تمھیں مجرم ثابت کرنا بہت مشکل ہو جائے گا اور نتیجتاً عدالت تمھیں بَری کر دے گی۔

رحمو: (بیتابی سے) سچی کریم باؤ؟ میں بَری ہو جاؤں گا؟

کریم باؤ: ہاں میرے دوست، ایسا ہی ہو گا۔

(رحمو فرش پر لیٹ جاتا ہے، وہ اپنا بایاں بازو موڑ کر تکیے کی طرح سر کے نیچے رکھتا ہے اور آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہے اور وہ خیالات کی رو میں بہتا ہُوا ماضی کے دھندلکوں میں کھو جاتا ہے۔)

دوسرا منظر:

(ایک گاؤں کا منظر ہے، آسمان پر غروبِ آفتاب کی لالی نظر آ رہی ہے، حدِ نگاہ تک کھیت پھیلے ہُوئے ہیں، کھیتوں کے درمیان ایک بہت بڑا برگد کا درخت ہے جس کے نیچے مختلف مویشی، گائیاں، بھینسیں اور بیل وغیرہ چارے کی کھرلیوں پر کھونٹوں سے بندھے ہُوئے چارہ کھا رہے ہیں، اُن کے گلوں میں بندھی ہوئی دھاتی گھنٹیوں سے ٹن ٹن کی ملی جلی آوازیں آ رہی ہیں۔ رحمو، جس کے بدن پر میلی سی سوتی قمیض اور دھوتی ہے، کاندھے پر

میلا سا ایک صافہ ہے اور گلے میں سیاہ چمڑے میں منڈھا ہُوا ایک تعویز جھول رہا ہے، اُن مویشیوں کی کھرلیوں میں سے ایک پر جھکا ہُوا اُنہیں چارہ ڈال رہا ہے، اُس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے ہیں جیسے وہ بہت جلدی میں ہو، وہ بہت تر و تازہ اور مسرور لگ رہا ہے اور ایک گیت گنگنا رہا ہے۔

(پس منظر میں تھیم سونگ چلنا شروع ہو جاتا ہے۔)

اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
گُل بُوٹے ہوون ہر پاسے
وچ ٹھنڈی مِٹھی چھاں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

تُوں بُھل جاویں سب دُکھ اپنے
میں واراں تیتھوں سُکھ اپنے
نا ویکھیں مُڑ کے غم تُوں ویں
نا سوچاں میں وی دُکھ اپنے
ہُن ساہ وی اپنے ساجھے نے

ہُن ساجھے سارے دُکھ اپنے
اک دوجے وِچ ہُن ساہ ہوون
اک دوجے وچ ای جاں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

آ ہسیے مِل کے ہاسے نی
نا ویکھیے آسے پاسے نی
نا آساں رکھیے لوکاں تے
جیڑھے جھوٹے دین دلاسے نی
چل چلیے دُور زمانے توں
جتھ نا کوئی انساں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

تُو وچھڑی کیناں راواں وِچ
میں لبدا تینوں باواں وِچ
تن لبدے لبدے ڈُب جانا
ہنجواں دے دریاواں وِچ

جے ہتھ وچ تیرا ہتھ ہووے
مینوں مرنا وی آساں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

اکھاں لگیاں سجناں راہواں تے
میں آیا آخر ساہواں تے
اج بیٹھے بیٹھے مر جانا
سڑدیاں بلدیاں راہواں تے
اج دل کردا اے تُوں ہوویں
تیری زُلفاں دی اوچھاں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

(تھیم سونگ کے دوران، رحمو تمام مویشیوں کی کھرلیوں پر باری باری چارہ ڈالتا ہے، ایک بھینس کا دُودھ دوہتا ہے، دُودھ کی بالٹی اُٹھائے وہیں موجود ایک کچے کمرے کی طرف جاتا نظر آتا ہے اور گانا ختم ہوتے ہی لگتا

ہے اُس کا کام بھی ختم ہو چکا ہے۔ وہ قمیض کی آستین سے ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتا ہے اور کھیتوں سے باہر گاؤں کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر تیزی سے چلنے لگتا ہے۔ منظر تبدیل ہوتا ہے اور وہ گاؤں کی آخری نکڑ پر موجود اپنے کچے گھر کی طرف بڑھتا ہُوا نظر آتا ہے۔)

تیسرا منظر:

(رحمو اپنے کچے گھر کے دروازے پر موجود ہے اور مسکراتے ہُوئے ٹاٹ کا پردہ اُٹھاتا ہے۔ گھر کے اندر کا منظر دکھائی دیتا ہے، ایک جوان، خوبصورت اور صحت مند لڑکی ''نُوری'' جو اپنے حلیے سے نو بیاہتا دلہن لگ رہی ہے گھر کے کونے میں موجود چولہے پر روٹیاں بنا رہی ہے۔ صحن کے عین بیچ میں بچھی چار پائی پر ایک بوڑھا (نذیر بابا جو کہ رحمو کا باپ ہے) لیٹا ہے، رحمو سیدھا نذیر بابا کی طرف جاتا ہے۔)

رحمو: سلام بابا۔

(رحمو نہایت ادب سے نذیر بابا کو سلام کرتا ہے۔)

بابا: واعلیکم سلام پتر ا.....آ گئے خیر نال؟

(نذیر بابا کھانستے ہُوئے کہتا ہے۔)

رحمو: ابھی آیا ہی ہوں بابا، طبیعت کیسی ہے تمہاری؟

بابا: شُکر ہے مولا کا پتر، اللہ تمہارا بھلا کرے اور نُوری کا بھی، تم دونوں کے دَم سے سانس کی ڈوری چل رہی ہے میری، نُوری تو بہت خیال رکھتی ہے میرا۔ جاؤ، وہ تمہارا ہی انتظار کررہی ہے، روٹی ٹُکر کھالو۔

(بابا پھر کھانسنے لگتا ہے۔)

رحمو: تم نے روٹی کھالی بابا؟

(رحمونُوری کی طرف بڑھتے ہُوئے بابا سے پوچھتا ہے۔)

بابا: ہاں ہاں پتر، نُوری مجھے کھلا چکی ہے، اللہ سوہنا اسے بھی سوہنا سا پتر دے جلدی جلدی۔

(رحمو مسکراتا ہُوا نُوری کے سامنے جا بیٹھتا ہے اور شرارتی نظروں سے اُس کی آنکھوں میں جھانکتا ہے، نُوری کچھ شرماتے ہُوئے اور کچھ مسکراتے ہُوئے کہتی ہے۔)

نُوری: اَج میں نے تمہارے لئے چوپڑی ہوئی روٹیاں بنائی ہیں۔ چھوٹی زمیندارنی سے مکھن لائی ہوں تمہارے لئے، لے موجاں کر۔

(نُوری ایک چپڑی ہوئی روٹی چنگیر میں رکھ کر اُس کی طرف بڑھاتی ہے اور پھر اپنے ماتھے پر آئی ہوئی بالوں کی ایک لٹ کو جھٹک کر پیچھے کرتی ہے۔)

رحمو: تُو نے اپنے لئے چپڑی ہوئی روٹیاں نہیں بنائیں؟

(رحمو پیار سے نُوری کی طرف دیکھتے ہُوئے اُس سے کہتا ہے۔)

نُوری: نہیں، تھوڑا سا تو مکھن تھا۔

(نُوری ایک اور چپڑی ہوئی روٹی رحمو کے سامنے پڑے چھابے میں ڈالتی ہے۔)

رحمو: میں تڑکے سے اندھیرا ہونے تک مشقت کرتا ہوں نُوری! لیکن کیسا بدنصیب ہوں کہ پھر بھی وہ نہیں کرسکتا جو میں تیرے لئے کرنا چاہتا ہوں۔

(رحمو روٹیاں اپنے قریب کرتے ہُوئے مایوسی اور دُکھ سے کہتا ہے۔)

نُوری: تُو جتنی مشقت مرضی کر لے رحمو، پر اپنے دن نہیں پھرنے والے۔

(نُوری مایوسی سے ٹھنڈی آہ بھرتے ہُوئے کہتی ہے۔)

رحمو: تُو تو وہی بات کر رہی ہے نُوری جو اماں بابے سے کہا کرتی تھی۔ اماں، اللہ بخشے، خون تھوک تھوک کر مر گئی پر بابا بیچارہ اُس کے لئے کچھ نہ کرسکا۔ میں نماڑاں، چوہدری کے کھیتوں میں اناج اُگاتا ہوں لیکن تھوڑا سا بھی اپنے گھر نہیں لاسکتا۔ میں اُس کے جانوروں کو پالتا ہوں لیکن اپنے ٹبر کے لئے ذرا سا دُودھ اور مکھن نہیں لاسکتا، میں تو تمہیں بہت خوش دیکھنا چاہتا ہوں نُوری، حویلی کی چوہدرانیوں کی طرح، سونے کی چوڑیاں پہنے، نوے نکور کپڑوں میں، ہونٹوں پر ہر وقت دنداسا ملے، ہنستی ہوئی، جیسے مکئی کی گرما گرم روٹی پر مکھن کا پیڑا.......

(مایوسی کی بات کرتے کرتے رحمو آخری جملہ کہتے ہُوئے مسکرا دیتا ہے اور نُوری کی طرف پیار بھری نظروں سے دیکھتا ہے۔)

نُوری: ہم کچھ نہیں کر سکتے رحمو۔ اپنی قسمت بدلی نہیں جا سکتی کبھی۔ مجھے پتا ہے میرے پنڈے پر سوہنے کپڑے ہو ہی نہیں سکتے، اور نہ ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں۔

(نُوری کربناک لہجے میں کہتے ہُوئے اپنی کلائیوں کی طرف دیکھتی ہے، دونوں دُکھی ہو جاتے ہیں۔)

چوتھا منظر:

صبح کا وقت ہے، حدِ نگاہ تک سرسبز و شاداب کھیت پھیلے ہُوئے ہیں۔ پس منظر میں چڑیوں کے چہچہانے کی آوازیں آ رہی ہیں۔ کبھی کبھی کسی جانور کے گلے میں بندھی دھاتی گھنٹی کی آواز بھی آتی ہے۔)

یہ منظر مختلف حصوں میں بٹا ہے۔

پہلے حصّے میں رحمو کھیتوں میں درانتی کے ساتھ چارہ کاٹ کر رہا ہے۔

دوسرے حصّے میں وہ برگد کے نیچے بندھے مویشیوں کو چارہ ڈال رہا ہے۔

تیسرے حصّے میں وہ اپنے سامنے سٹین لیس سٹیل کی بالٹی رکھے ایک گائے کا

دُودھ دوھ رہا ہے۔

چوتھے حصّے میں وہ ہاتھ میں چھوٹی سی چھڑی لئے، بیلوں کی جوڑی کے ساتھ ایک کھیت میں ہل چلا رہا ہے۔

پانچویں حصّے میں وہ ایک سوکھے ہُوئے درخت کو کلہاڑی سے کاٹ رہا ہے۔

چھٹے حصّے میں شام کے دھندلکے میں وہ اپنے صافے سے چہرے پر آئے ہُوئے پسینے کو صاف کرتا ہُوا اپنے گھر کی طرف بڑھ رہا ہے۔

پانچواں منظر:

(رحمو اپنے گھر میں داخل ہوتا ہے، اُس کی نظر چولہے پر بیٹھی نُوری پر پڑتی ہے۔ نُوری گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھے خالی خالی نظروں سے سامنے والی دیوار کو دیکھ رہی ہے۔ اُس کی خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں سے آنسو نکل کر اُس کے گلابی رخساروں پر بہہ رہے ہیں۔ چولہا بجھا ہُوا ہے اور دھوئیں کی ایک کمزور سی لکیر بجھے ہُوئے چولہے کے اندر سے اُٹھ رہی ہے۔ رحمو پریشان سا ہو کر نُوری کے سامنے جا کر بیٹھ جاتا ہے۔)

رحمو: کیا ہُوا نُوری! روکیوں رہی ہے؟

(نُوری کے مُنہ سے سسکی نکلتی ہے مگر وہ کوئی جواب نہیں دیتی۔)

رحمو: اَبّے نے ڈانٹا ہے کیا؟ بتاتی کیوں نہیں؟ ہُوا کیا ہے؟

(رحمو اپنا ہاتھ نُوری کی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اُس کا چہرہ اُوپر اُٹھاتا ہے۔)

نُوری: کچھ نہیں ہُوا مجھے۔

(نُوری ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہتی ہے۔)

رحمو: پھر روتی کیوں ہے؟

(رحمو کچھ نہ سمجھتے ہُوئے پریشانی کے عالم میں کہتا ہے۔)

نُوری: کہہ دیا ناں تم سے کہ مجھے کچھ نہیں ہُوا۔

(نُوری تیز لہجے میں کہتی ہے اور رحمو گھبرا جاتا ہے۔)

رحمو: مجھ سے ناراض ہو نُوری؟

(رحمو لفظ ''مجھ'' پر زور دیتے ہُوئے کہتا ہے۔)

رحمو: میں نے تو کچھ نہیں کیا۔

نُوری: تم نے کچھ نہیں کیا، سارا کیا میرے کالے نصیبوں کا ہی ہے۔

(نُوری تلخ لہجے میں کہتی ہے۔)

رحمو: دکھی نہ کر نُوری، تُو نہیں بتائے گی تو نہر میں کُود جاؤں گا۔

نُوری: تُو کیوں کُودے گا نہر میں؟ میں ہی مر جاؤں، ایسے جینے سے تو موت ہی اچھی ہے۔

(نُوری جلے کٹے لہجے میں کہتی ہے اور ساتھ ہی اپنی کلائیوں کو گھٹنوں پر مار

مار کر اپنی کانچ کی چوڑیاں توڑنے لگتی ہے۔)

رحمو: یہ کیا کر رہی ہے نُوری؟

(رحمو،نُوری کے بازو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔)

رحمو: جانتی نہیں کہ میلے سے کتنے چاؤ سے لے کر آیا تھا یہ چوڑیاں تیرے لئے؟

نُوری: جانتی ہوں پر مجھے نہیں چاہیں یہ کانچ کو چوڑیاں۔

(نُوری روتے ہُوئے غم اور غصے سے کہتی ہے۔)

رحمو: تو کیا تمہیں سونے کی چوڑیاں چاہیں؟

(رحمو،نُوری کی بات سُن کر بھونچکا رہ جاتا ہے۔)

نُوری: ہاں!

(نُوری اثبات میں سر ہلاتی ہے اور رحمو ششدر رہ جاتا ہے، وہ پھٹی پھٹی نظروں سے نُوری کی طرف دیکھتا ہے پھر یکدم اُٹھ کر گھر کے بیرونی دروازے کی طرف چل پڑتا ہے۔)

چھٹا منظر:

(رحمو ایک نہر کے کنارے کنارے جا رہا ہے، اُس کی نظریں نہر کے بہتے ہُوئے پانی پر یوں جمی ہیں جیسے وہ نہر میں کُود جانے والا ہو۔ یُونہی چلتے چلتے وہ اُس سڑک تک پہنچ جاتا ہے جو ایک پُل کے ذریعے نہر کو کاٹ رہی ہے۔ وہ حیرانی سے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے جیسے اُسے معلوم ہی نہ ہو کہ وہ بے دھیانی میں چلتا ہُوا سڑک تک پہنچ گیا ہے۔)

رحمو: یہ میں کدھر آ گیا۔

(رحمو خود کلامی کے انداز میں کہتا ہے۔)

(اُسی وقت ایک بس دائیں طرف سے آتی ہے اور اُس کے قریب آ کر رُک جاتی ہے، اُس میں سے چند مسافر نیچے اُترتے ہیں۔ بس کنڈکٹر بھی نیچے اُتر کر بس کے دروازے کے پاس کھڑا ہو جاتا ہے۔ مسافروں کے اُتر جانے کے بعد وہ رحمو کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتا ہے اور پوچھتا ہے۔)

بس کنڈکٹر: فیصل آباد؟

رحمو: کیا...؟ فیصل آباد....؟ ہاں، ہاں...

(رحمو متذبذب انداز میں کہتا ہے۔)

بس کنڈکٹر: چلو چلو جلدی کرو......ٹائم والی بس ہے، لاہور کا ٹائم اُٹھانا ہے.....“

(بس کنڈکٹر رحمو کو کندھے سے پکڑ کر بس کی طرف دھکیلتا ہے، رحمو بس میں سوار ہو جاتا ہے اور بس چل پڑتی۔)

ساتواں منظر:

یہ منظر مختلف حصّوں میں بٹا ہے۔

پہلے حصّے میں رحمو فیصل آباد کے ایک بازار میں ایک ریڑھی دھکیلتا ہُوا جا رہا ہے، پس منظر میں فیصل آباد کا گھنٹہ گھر نظر آ رہا ہے۔

دوسرے حصّے میں وہ ایک زیرِ تعمیر عمارت پر مزدورں کے ساتھ اینٹیں اُٹھاتا ہُوا نظر آتا ہے۔

تیسرے حصّے میں وہ ایک نچلے درجے کی چائے کی دوکان پر گاہکوں کو چائے پیش کر رہا ہوتا ہے۔

چوتھے حصّے میں وہ اُسی دوکان پر چائے کے برتن دھوتا ہُوا نظر آتا ہے۔

پانچویں حصّے میں وہ جوتے پالش کرنے کی صندوقچی سامنے رکھے، پاس کھڑے ہُوئے ایک شخص کے جوتے پالش کر رہا ہوتا ہے۔

چھٹے حصّے میں، منظر ایک پبلک پارک کا ہے جس میں کچھ بچے اِدھر اُدھر کھیل رہے ہیں۔ دُور ایک درخت کے نیچے رحمو اکیلا بیٹھا ہے، اُس کی صندوقچی اُس کے پاس رکھی ہے، کیمرہ زوم ہوتا ہے، صندوقچی پر لکھا ہے ”نُوری“۔

پھر کیمرہ رحمو پر جاتا ہے، وہ گود میں رکھے ہُوئے روپے گن رہا ہے۔)

رحمو: (خود کلامی کرتے ہُوئے۔)

سات سو چالیس روپے، بس؟ ان میں تو چوڑیاں نہیں آنی۔

(رحمو ٹھنڈی سانس لے کر کہتا ہے اور صندوقچی اُٹھا کر چل پڑتا ہے۔)

آٹھواں منظر:

(رحمو ایک سنار کی دوکان کے باہر کھڑا ہے، دوکان کے اندر شیشے کے شوکیسوں میں طرح طرح کے زیورات نظر آرہے ہیں۔ کیمرہ شوکیس میں سجی چوڑیوں کی طرف جاتا ہے، پھر رحمو کا چہرہ زوم ہوتا ہے جو للچائی ہوئی نگاہوں سے اُن چوڑیوں کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے۔ کیمرہ پھر سنار کی دوکان کی طرف جاتا ہے اور گھومتا ہُوا شوکیس پر بیٹھے ہُوئے سنار پر رُک جاتا ہے، سنار کی نظر رحمو پر پڑتی ہے، اور وہ اُسے ڈانٹ کر کہتا ہے۔)

سنار: اے لڑکے! یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ چلو بھاگو یہاں سے۔

(رحمو خاموشی سے ایک طرف چل پڑتا ہے۔)

نواں منظر:

(ایک پبلک پارک میں ایک درخت کے نیچے رحمو اکیلا بیٹھا ہے، اُس کی صندوقچی اُس کے پاس رکھی ہے، وہ روپے گن رہا ہے اور بڑبڑاتا ہے۔)

رحمو: صرف نو سو اسّی روپے؟ اتنے پیسوں میں تو وہ چوڑیاں نہیں آنی۔ مولا! میں کیا کروں؟

(وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور پھر تھوڑی دیر بعد اُٹھ کر باہر کی طرف چل پڑتا ہے۔)

دسواں منظر:

(رحمو اُسی جیولر کی دوکان کے باہر کھڑا ہے اور للچائی ہوئی نگاہوں سے دوکان کے اندر شوکیس میں رکھی سنہری چوڑیوں کی طرف دیکھ رہا ہے۔ جیولر کی نظر اُس پر پڑتی ہے۔)

جیولر: اوئے لڑکے! تُو پھر ادھر آ گیا؟ بھاگو یہاں سے، بھاگو...

(جیولر ڈانٹ کر رحمو سے کہتا ہے۔)

گیارہواں منظر:

(ایک پبلک پارک میں ایک درخت کے نیچے رحمو اکیلا بیٹھا ہے، اُس کی صندوقچی اُس کے پاس رکھی ہے، وہ روپے گن رہا ہے اور بڑبڑاتا ہے۔)

رحمو: مولا! بس گیارہ سو دس روپے؟ اس رقم میں تو چوڑیاں نہیں آنی۔ کیا کروں؟ کدھر جاؤں؟؟

(رحمو کی نظریں درخت کی ایک شاخ پر بیٹھے چڑیوں کے جوڑے کی طرف اُٹھ جاتی ہیں اور اُس کے خیال میں نُوری سے آخری ملاقات کا منظر گھوم جاتا ہے جس میں وہ اپنی کلائیوں کو گھٹنوں پر مار مار کر چوڑیاں توڑ رہی تھی، وہ کسی پختہ ارادے کے ساتھ اُٹھ کر باہر کی طرف چل پڑتا ہے۔ اس مرتبہ اُس کی چال میں ایک عزم ہوتا ہے اور لبوں پر مسکراہٹ۔)

بارہواں منظر:

(رحمو جیولر کی دوکان میں داخل ہوتا ہے اور شوکیس کے پاس جیولر کے رُوبرُو کھڑا ہو جاتا ہے۔)

جیولر: لڑکے! تم پھر آ گئے؟ کیا چاہتے ہو؟

(جیولر اُلجھے ہُوئے لہجے میں اُس سے کہتا ہے۔)

رحمو: یہ چوڑیاں خریدنی ہیں۔

(رحمو شوکیس میں سجی کنگن نما چوڑیوں کی ایک جوڑی پر انگلی رکھ دیتا ہے۔)

رحمو: کیا قیمت ہے ان کی؟ (رحمو بڑے ٹھوس لہجے میں کہتا ہے۔)

جیولر: تم خریدو گے؟ تم؟

(جیولر بڑے غور سے رحمو کے سراپے کا جائزہ لیتا ہے اور بے یقینی سے کہتا ہے۔)

رحمو: ہاں! میں، قیمت بتاؤ۔

(رحمو کے انداز میں کمال کا اعتماد ہوتا ہے۔)

جیولر: تمہارے پاس رقم ہے؟

(متذبذب انداز میں کہتا ہے۔)

رحمو: (اپنی دھوتی کی ڈب پر ہاتھ رکھتے ہُوئے) کتنی رقم؟ کچھ بتاؤ گے یا یونہی بے فضول سوال کرتے رہو گے؟

(رحمو قدرے تیز لہجے میں کہتا ہے۔)

جیولر: (پہلے چوڑیوں کے ڈبے پر لگی ہوئی چِٹ پر نظر دوڑاتا ہے جس پر اُن کا وزن لکھا ہوتا ہے، پھر کیلکولیٹر پر جمع تفریق کرنے کے بعد کہتا ہے۔)

جوڑی کے بیس ہزار تین سو ستر روپے، ملاوٹ نکال کے۔

رحمو: ملاوٹ والی نہیں لینی۔

جیولر: (ہنستے ہُوئے) جوان! اتنی سی ملاوٹ تو ضروری ہوتی ہے ورنہ سونے

سے زیور بنے کیسے؟ سونا بہت نرم ہوتا ہے ناں۔

رحمو: اچھا اچھا... لاؤ دکھاؤ ذرا.......

(جیولرشوکیس سے چوڑیوں کی جوڑی نکالتا ہے اور بڑے احتیاط سے رحمو کے سامنے شوکیس کے اُوپری شیشے پر رکھ دیتا ہے۔ رحمو کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوتی ہے، اُس کی نظریں کسی سانپ کی طرح چوڑیوں پر رینگتی ہوئی دوبارہ شوکیس کے اندر جاتی ہیں، وہ ایک اور جوڑی پر انگلی رکھتے ہُوئے جیولر کی طرف نگاہ اُٹھاتا ہے اور کہتا ہے۔)

رحمو: یہ ڈیزائن بھی دکھاؤ۔

جیولر: ہاں ہاں، دیکھو دیکھو، ہمارے پاس کئی ڈیزائن ہیں۔

(جیولر چوڑیاں اُٹھانے کے لئے جھکتا ہے، وہ ابھی شوکیس کے اندر ہاتھ مار رہا ہوتا ہے کہ رحمو شوکیس کے اُوپر پڑی چوڑیوں کی جوڑی پر چیل کی طرح جھپٹا ہے اور اُٹھا کر تیزی سے باہر کی طرف لپکتا ہے۔ جیولر گھبرا کا اپنا سر شوکیس سے نکالتا ہے اور چلّاتا ہے۔)

جیولر: اوئے، رکو.... چوڑیاں واپس کرو.........(جیولر تیزی سے دوکان سے باہر نکلتا ہے اور واویلا کرنے لگتا ہے) پکڑو......پکڑو اسے.....روکو.........پکڑو.........چور.....

تیرہواں منظر:

(رحمو تیزی سے بھاگا جا رہا ہے۔ کچھ لوگ اُس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، تین سپاہی بھی اُس کے پیچھے لگے ہیں۔ بھاگتے ہُوئے رحمو کے سامنے اچانک ایک دیوار آجاتی ہے، وہ اُس دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کود جاتا ہے۔ دیوار سے زمین پر آتے ہی رحمو بیٹھے بیٹھے اِدھر اُدھر دیکھتا ہے، اُس کے سامنے ایک بہت بڑا قبرستان پھیلا ہُوا ہوتا ہے۔ اُس کی نظر تھوڑے فاصلے پر موجود ایک پیپل کے درخت کی طرف جاتی ہے، وہ تیزی سے اُس کی طرف بھاگتا ہے اور اُس کے قریب جا کر مڑ کر دیکھتا ہے، تعاقب کرنے والے نظر نہیں آتے (وہ دیوار کے دوسری طرف ہوتے ہیں)۔ رحمو اپنی دھوتی کی ڈب سے چاقو نکالتا ہے اور تیزی سے پیپل کی جڑ میں ایک چھوٹا سا گڑھا بنانے لگتا ہے۔ اُس کے ہاتھ پھرتی سے چل رہے ہیں، چند سیکنڈوں میں وہ گڑھا بنا کر چوڑیاں اور چاقو اُس میں چھپا دیتا ہے اور اُوپر مٹی اور چند سوکھی شاخیں ڈال کر پھر بھاگ نکلتا ہے۔ تھوڑی دُور جا کر وہ پھر مڑ کر دیکھتا ہے، پولیس والے دیوار پھلانگ کر قبرستان کے اندر آ چکے ہوتے ہیں، کچھ اور لوگ بھی دیوار پر دکھائی دیتے ہیں۔ رحمو پھر دوڑنے لگتا ہے... سامنے قبرستان کی دوسری دیوار نظر آتی ہے، وہ اُچک کر اُس پر چڑھنے لگتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے، وہ پھر اُچھلتا ہے، اُس کے ہاتھ

دیوار کے اُوپری کناروں کو چھوتے ہیں، وہ ہاتھ جمانے کی کوشش کرتا ہے مگر ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں اور وہ نیچے گر جاتا ہے۔ اسی اثنا میں پولیس رحمو کے سر پر پہنچ جاتی ہے، ایک سپاہی گرے ہُوئے رحمو کی گردن میں پیچھے سے ہاتھ ڈال کر اپنی طرف گھسیٹے ہُوئے کہتا ہے:)

سپاہی 1: کہاں تک بھاگو گے بچُّو۔ (یہ کہتے ہُوئے سپاہی رحمو کے رخسار پر ایک زوردار تھپڑ جڑتا ہے۔ دوسرا سپاہی رحمو کے ہاتھ اُس کی پشت کی طرف کر کے اُسے جکڑ لیتا ہے۔ اس دوران جیولر اور کئی اور لوگ بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں)

سپاہی2: چوڑیاں کہاں ہیں؟

رحمو: کونسی چوڑیاں؟ میرے پاس کوئی چوڑیاں نہیں ہیں، میں نہیں جانتا چوڑیاں کہاں ہیں۔ (رحمو منمنائی ہوئی آواز میں کہتا ہے۔)

سپاہی 1: ہوں....(لمبی سی ہوں کرتے ہُوئے) تم نہیں جانتے چوڑیاں کہاں ہیں، مگر ہم جانتے ہیں۔ (سپاہی رحمو کے پیٹ میں زوردار مکہ مارتا ہے، رحمو کو اُس مکے کا کوئی اثر نہیں ہوتا مگر وہ سپاہی کی بات سن کر گھبرا سا جاتا ہے۔)

رحمو: (لجاہت سے) قسم لے لو صاحب، میں نہیں جانتا، میں نہیں جانتا۔

جیولر: (رحمو کی طرف نفرت سے دیکھتے ہُوئے، سپاہیوں سے کہتا ہے) یہ

جھوٹ بول رہا ہے جناب، اس نے چوڑیاں لوٹیں ہیں، یہ کئی دن سے میری دوکان کے آس پاس منڈلاتا بھی رہا ہے، آج یہ میرے پاس آیا اور چوڑیاں خریدنے کو کہا، میں نے اسے ایک جوڑی دکھائی، اس نے کہا اور بھی دکھاؤ، میں دوسری جوڑی اُٹھانے کو جھکا تو یہ چوڑیاں اُٹھا کر بھاگ لیا۔ اس کی تلاشی لیں صاحب...

سپاہی 3: تلاشی تو ہم لے چکے ہیں، اس کے پاس سے کچھ برآمد نہیں ہُوا۔

جیولر: پھر اس نے وہ چوڑیاں کہیں چھپا دی ہیں جناب، اس سے پوچھیں کدھر ہیں؟

سپاہی 2: اس کو مہمان بناتے ہیں تھانے میں، وہاں سب کچھ بک دے گا۔ (سپاہی رحمو کے بالوں میں ہاتھ ڈالتے ہُوئے نفرت سے کہتا ہے، ایک سپاہی رحمو کو پیچھے سے لات مارتا ہے اور کہتا ہے:)

سپاہی 1: چل اوئے، اگے لگ...

(رحمو سر جھکائے اُن کے ساتھ چل پڑتا ہے)

چودہواں منظر:

(یہ حوالات کے اندر کا منظر ہے۔ رحمو حوالات کے فرش پر سر کے نیچے دایاں بازو رکھے لیٹا ہے، اُس کی آنکھیں بند ہیں جیسے کہ وہ سو رہا ہو۔ کریم باؤ اُس کے قریب کچھ فاصلے پر بیٹھا ہے۔ حوالات کا دروازہ ہلکے سے شور کے ساتھ کھلتا ہے، رحمو آنکھیں کھول کر سر کو تھوڑا سا اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھتا ہے، ایک سپاہی اندر داخل ہوتا ہے اور رحمو کو نفرت بھری نگاہ سے دیکھتا ہُوا سخت لہجے میں کہتا ہے...)

سپاہی: اُٹھ حرام خور اور تواضع کے لئے تیار ہو جا۔ مجھے یقین ہے تمہاری نہیں نہیں آج ہاں ہاں میں بدل جائے گی۔

(رحمو سپاہی کی طرف معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتا ہے اور خاموشی کے ساتھ اُٹھ کر چل پڑتا ہے۔ حوالات کے دروازے پر سپاہی اُسے پیچھے سے لات مار کر حوالات سے باہر دھکیل دیتا ہے۔)

پندرہواں منظر:

(یہ منظر رحمو کے گھر کا ہے۔ صحن میں اِدھر اُدھر مرغیاں دوڑ رہی ہیں۔ ایک کونے میں مرغیوں کا خالی ٹوکرا اُلٹا پڑا ہے، ذرا فاصلے پر لکڑی کی ایک

گھڑونچی رکھی ہے جس پر مٹی کے دو گھڑے پڑے ہیں۔ ایک کونے میں کچی اینٹوں سے بنا ہُوا چولہا ہے، جو ٹھنڈا پڑا ہے۔ اُس کی بیوی نُوری پریشانی کے عالم صحن کے بیچ میں کھڑی ہے۔ وہ اپنے سر پر پڑی ہوئی معمولی سی سیاہ چادر کو درست کرتی ہے اور گھر سے باہر کی طرف چل پڑتی ہے۔ وہ بہت تیزی سے قدم بڑھاتی ہوئی جا رہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک کھیت میں اُسے کرمو نظر آتا ہے۔ کرمو ایک جوان اور صحت مند نظر آنے والا مزارع ہے، اُس کے بدن پر صرف ایک میلی سی دھوتی ہے، سر پر صافہ بندھا ہُوا ہے اور ہاتھ میں ''کسّی'' ہے جس سے وہ ایک چھوٹی سی ندی کا کنارہ توڑ کر کھیتوں کو پانی لگانے کی تیاری کر رہا ہے۔ نُوری سیدھی اُس کے پاس جاتی ہے۔)

نُوری: کدھر رہتے ہو کرمو آج کل؟ کبھی نظر ہی نہیں آئے۔

کرمو: (کسّی کو کاندھے پر رکھتے ہُوئے) میں نے اور کدھر رہنا ہے نُوری، اِنہیں کھیتوں میں مر کھپ جانا ہے۔ تُو سنا، تُو کہاں رہتی ہے؟ کبھی دیکھا ہی نہیں تمہیں۔ سُنا، رحمو کا کچھ پتا چلا؟ چودھری بہت گرم ہے، روز پوچھتا ہے اُس کو۔

نُوری: اسی لئے تو آئی ہوں، ذرا چھوٹے چوہدری سے تو ملا دے۔ (نُوری اپنے پاؤں پر نظریں جماتے ہُوئے کہتی ہے۔ اُس کے پاؤں بہت

خوبصورت نظر آ رہے ہیں۔)

کرمو: اِدھر ہی بیٹھو، میں اُسے خبر کرتا ہوں تیرے آنے کی۔

(نُوری وہیں ندی کے کنارے بیٹھ جاتی ہے اور کرموں درختوں کے پیچھے غائب ہو جاتا ہے)

سولہواں منظر:

(نُوری ندی کے کنارے ایک درخت کے نیچے بیٹھی ہے، وہ زمین سے ایک کنکر اُٹھا کر ندی میں پھینک دیتی ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی ہے، اُس کی نظریں ندی کے پانی پر جمی ہیں۔ بڑے زمیندار کا بیٹا، (چھوٹا چوہدری، سلطان) جس کے بدن پر کڑھائی کیا ہُوا بوسکی کا خوبصورت کرتہ، رنگین دھوتی اور سر پر پگڑی ہے اور ہاتھ میں ایک چھوٹی سی سبز شاخ ہے درختوں کے اندر سے نمودار ہوتا ہے۔ وہ سیدھا نُوری کے پاس آتا ہے اور ہلکے سے کھانستا ہے۔ نُوری خیالوں سے چونک کر اُس کی طرف دیکھتی ہے اور جلدی سے کھڑی ہو جاتی ہے۔)

سلطان: کیسی ہو نُوری؟ (سلطان نُوری کے قریب آجاتا ہے۔ اُس کا لہجہ قدرے بارعب لیکن لبوں پر نرم مسکراہٹ ہے۔)

نُوری: میں بہت پریشان ہوں چوہدری، کچھ تُو ہی کر۔ (نُوری پریشان

لہجے میں کہتی ہے۔)

سلطان: رحمو کی وجہ سے پریشان ہے ناں؟ ارے آجائے گا اِدھر اُدھر گھوم پھر کر۔ (سلطان بے پرواہی سے جواب دیتا ہے۔)

نُوری: میرا دل ڈوب رہا ہے چوہدری، وہ جس طرح گیا تھا، مجھے لگتا ہے.... ہائے میں کس طرح کہوں چوہدری سلطان ......؟ پتا نہیں وہ آئے گا بھی یا نہیں؟ تُو کچھ نہیں کرے گا کیا؟

سلطان: یہ تُو کیا کہتی ہے نُوری؟ میں تو ہمیشہ اپنے بندوں کے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں اور تُو تو........(چوہدری کچھ کہتے کہتے رُکتا ہے اور پھر بات بدل دیتا ہے) بھلا تیرے لئے کیوں کچھ نہیں کروں گا؟ (اُس کے لہجے میں بہت نرمی اور مٹھاس ہوتی ہے۔)

نُوری: مہینے سے اُوپر ہوگیا ہے سلطان، اُس کی کوئی خبر نہیں، اُسے تلاش کر دے ناں۔ (نُوری کے لہجے میں لجاہت ہوتی ہے۔)

سلطان: گھبرا نہیں، میں کچھ کرتا ہوں۔

نُوری: اُسے ڈھونڈ نا ہے سلطان۔ (نُوری کا لہجہ ایسا ہے جیسے وہ سلطان سے پکا عہد لینا چا رہی ہے۔)

سلطان: اب یہ تیری نہیں، میری پریشانی ہے۔ جا، سکون سے بیٹھ جا۔

نُوری: اللہ بھلا کرے تیرا سلطان۔ تُو نے میرا مان رکھ لیا۔ (نُوری کی

آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔)

ستارہواں منظر:

(یہ ایک ٹارچر سیل ہے جہاں کچھ پولیس والے ایک میز کے گرد بیٹھے ہیں۔ وہ ہنس رہے ہیں اور کبھی کبھی بلند آواز میں قہقہے لگانے لگتے ہیں۔ ایک سپاہی رحمو کو لئے ہُوئے اندر داخل ہوتا ہے تو سب ایکدم خاموش ہوجاتے ہیں۔ ایک سپاہی رحمو کی طرف اشارہ کرتا ہُوا کہتا ہے...)

سپاہی 1: (قہقہہ لگاتے ہُوئے) جوانوں! دیکھو، یہ ہے وہ جانور جو سونے کی چوڑیاں کھاتا ہے۔

سپاہی2: (پرعزم لہجے میں کہتا ہے) آج یہ چوڑیاں اُگل دے گا۔

(تمام سپاہی زور سے ہنستے ہیں، اُن میں سے ایک (سپاہی 3) رحمو کی طرف بڑھتا ہے اور اُسے بالوں سے جکڑ لیتا ہے۔)

سپاہی 3: کیوں بے! تم چوڑیاں اُگلو گے یا مجھے تمہارا پیٹ پھاڑ کر نکالنا پڑیں گی؟ (سپاہی3 رحمو کے پیٹ میں گھونسا مارے ہُوئے کہتا ہے۔)

سپاہی 1: یہ ایسے نہیں مانے گا۔(سپاہی 1 رحمو کو پیچھے سے لات مار کر فرش پر گرا دیتا ہے اور اُس کی پیٹھ پر چڑھ کر اُس پر مُکے برسانے لگتا ہے۔ باقی تمام سپاہی بھی رحمو کو پیٹنے لگتے ہیں۔ ٹارچر سیل میں رحمو کی چیخ وپکار گونجنے لگتی

ہے۔ اُس پر لاتوں، مکوں اور بیلٹوں کے تابڑتوڑ حملے ہو رہے ہیں، وہ درد کی شدت سے چیخ رہا ہے مگر اقرارِ جرم نہیں کرتا۔ سپاہی اُسے مارتے مارتے تھک جاتے ہیں، رحمو بے ہوش ہو جاتا ہے۔)

اٹھارہواں منظر:

(حوالات کی کوٹھڑی کا منظر نمودار ہوتا ہے جس میں کریم باؤ گھٹنوں میں سر دیے مایوسی کے عالم میں بیٹھا ہے۔ حوالات کا بھاری دروازہ ہلکے سے شور کے ساتھ کھلتا ہے۔ کریم باؤ سر اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھتا ہے۔ ایک سپاہی رحمو کو، جس کے چہرے پر مار پیٹ کے نشان بہت واضح طور پر نظر آ رہے ہیں، نفرت سے حوالات میں دھکا دیتا ہے۔ رحمو کریم باؤ کے سامنے گرنے لگتا ہے۔ کریم باؤ لپک کر اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیتا ہے۔ سپاہی نفرت سے رحمو کی طرف دیکھتا ہے اور بڑبڑاتا ہے...)

سپاہی: حرامزادے! تُو آج بھی نہیں مانا، مگر کب تک؟ آخر تجھے ماننا ہی پڑے گا۔ (سپاہی واپس مڑتا ہے اور حوالات کے دروازے کو باہر سے تالا لگا دیتا ہے۔)

کریم باؤ: (بہت ہمدردی کے ساتھ رحمو سے مخاطب ہوتا ہے) میں جانتا ہوں انھوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔ (کریم باؤ اپنا ہاتھ رحمو

کے کندھے پر محبت سے رکھتا ہے، رحمو مسکرا کر معنی خیز انداز میں کہتا ہے..)

رحمو: یہ میرا جرم ثابت نہیں کر سکتے کریم باؤ...)

کریم باؤ: (مسکراتے ہُوئے)وہ کیسے بھائی؟

رحمو: مال برآمد ہوگا تو جرم ثابت ہوگا ناں۔

(رحمو مسکراتا ہے اور لیٹ کر اپنا دایاں بازو سر کے نیچے رکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے اور خوابوں اور خیالوں کے سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔)

اُنیسواں منظر:

(اپنے گھر کے صحن میں رحمو اور نُوری ایک چار پائی پر بیٹھے ہیں۔ رحمو نُوری کے خوبصورت چہرے پر نظریں جمائے مسکرا رہا ہے۔ نُوری کا چہرہ خوشی سے دمک رہا ہے اور وہ بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔ وہ اپنا دایاں بازو اُٹھاتی ہے، اُس کی کلائی میں سونے کی دو کنگن نما چمکتی ہوئی چوڑیاں کھنک اُٹھتی ہیں۔ وہ اپنی انگلی سے ان چوڑیوں کو چھوتی ہے اور پر مسرت انداز میں کہتی ہے:)

نُوری: کتنی خوبصورت ہیں، کہاں سے لائے رحمو؟

رحمو: یہ مت پوچھ نُوری، تُو نے تمنا کی تو میں لے آیا تیرے لئے۔ اگر تُو کسی کا سر بھی مانگتی تو وہ بھی کاٹ کر لے آتا۔(رحمو سرشاری سے کہتا ہے۔)

نُوری: تم کتنے اچھے ہو رحمو۔ (نُوری اپنا بازو رحمو کے گلے میں ڈال دیتی ہے اور ہولے ہولے گنگناتی ہے، اک تُوں ہوویں اک میں ہوواں......)

بیسواں منظر:

(کھیتوں کا منظر ہے، حدِ نگاہ تک سرسوں کے پیلے پیلے پھول کھلے ہیں۔ رحمو اور نُوری اُن کھیتوں کے بیچ بانہوں میں بانہیں ڈالے جا رہے ہیں۔ پس منظر میں گیت چل رہا ہے...)

اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
گُل بُوٹے ہوون ہر پاسے
وچ ٹھنڈی مٹھی چھاں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

تُوں بُھل جاویں سب دُکھ اپنے
میں واراں تیتھوں سُکھ اپنے
نا ویکھیں مُڑ کے غم تُوں ویں
نا سوچاں میں وی دُکھ اپنے

ہُن ساہ وی اپنے ساجھے نے
ہُن ساجھے سارے دُکھ اپنے
اک دوجے وِچ ہن ساہ ہوون
اک دوجے وچ ای جاں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

آ ہسیے مِل کے ہاسے نی
نا ویکھیے آسے پاسے نی
نا آساں رکھیے لوکاں تے
جیڑھے جھوٹے دین دلاسے نی
چل چلیے دُورزمانے تُوں
جتھ نا کوئی انساں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

تُو وچھڑی کیناں راواں وِچ
میں لبدا تینوں باواں وِچ
تن لبدے لبدے ڈُب جانا

ہنجواں دے دریاواں وِچ
جے ہتھ وچ تیرا ہتھ ہووے
مینوں مرنا وی آساں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

اکھاں لگیاں سجناں راہواں تے
میں آیا آخر ساواں تے
اج بیٹھے بیٹھے مر جانا
سڑدیاں بلدیاں راہواں تے
اج دل کردا اے تُوں ہوویں
تیری زُلفاں دی اوچھاں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں

اکیسواں منظر:

(حوالات کا اندرونی منظر ہے۔ رحمو اور کریم باؤ، صرف دو اشخاص حوالات کی زمین پر بیٹھے ہیں۔ رحمو کریم باؤ کے چہرے کو بڑے غور سے دیکھ رہا ہے، کریم باؤ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔)

کریم باؤ: کیا بات ہے رحمو، ایسے کیوں دیکھ رہے ہو مجھے؟

رحمو: کریم باؤ! اُس دن تم کہہ رہے تھے کہ تمہیں لمبی سزا ہو جائے گی۔ عمر قید... یا پھانسی بھی ... ہو سکتی ہے۔ کیوں کریم باؤ؟ (رحمو اٹکتے اٹکتے کہتا ہے۔)

کریم باؤ: میں جانتا ہوں تم کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ تم اُسی دن سے پریشان ہو جس دن میرے منہ سے وہ بات نکل گئی تھی۔

رحمو: بتاؤ ناں کریم باؤ۔ مجھے پریشانی لگی ہے۔

کریم باؤ: چھوڑو رحمو، اپنی سناؤ...

رحمو: تم ہی سنا دو کریم باؤ۔ تمہارے من کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔

(کریم باؤ اُٹھ کر حوالات کی چھوٹی سی کھڑکی کے پاس، جو محض ایک روشن دان جتنی ہوتی ہے، کھڑا ہو جاتا ہے اور باہر سرمئی آسمان کو دیکھنے لگتا ہے۔)

کریم باؤ: میں نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا تھا رحمو.........

(کریم باؤ کی آواز کہیں دُور سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، اور رحمو کی

آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں۔ وہ کریم باؤ کو بے یقینی کے عالم میں دیکھتا ہے اور اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلتا ہے:)

رحمو: نہیں، کریم باؤ تم ایسا نہیں کر سکتے۔

کریم باؤ: میں نے ایسا کیا ہے دوست۔

رحمو: نہیں۔ (بے یقینی سے)

کریم باؤ: ہاں۔(ٹھوس لہجے میں)

رحمو: (مری مری آواز میں) کیوں؟ کیسے؟؟

کریم باؤ: (کھڑکی سے باہر نظریں جمائے ہُوئے) سنو!

''ایک چھوٹا سا گھر تھا، جہاں میں اور میری نئ نویلی دلہن سلمہ رہا کرتے تھے۔ تمہاری نُوری کی طرح وہ بھی بہت خوبصورت تھی۔ ہم بہت خوش تھے جیسے ہمیں دو جہاں کی دولت مل گئی ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم ایک دوسرے کو ٹوٹ کر چاہتے تھے اور اکثر چاہنے والوں کے برخلاف ہمارے والدین ہماری محبت کے بیچ دیوار نہیں بنے تھے اور بخوشی ہمیں ایک کرنے پر راضی ہو گئے تھے جس کے نتیجے میں فوراً ہماری شادی ہوگئی۔ میرا تعلق معمولی گھرانے سے ہے جبکہ سلمہ ایک خوشحال خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ میں اسی شہر کی ایک فیکٹری میں سپروائیزر تھا، میں نے یہاں ایک چھوٹا سا گھر کرائے پر لے لیا اور سلمہ کو بھی اپنے ساتھ لے آیا۔ میری تنخواہ کم تھی مگر

ہم بے فکر تھے۔ کچھ عرصہ بعد میں نے محسوس کیا کہ سلمہ میری کم آمدنی کی وجہ سے پریشان رہنے لگی ہے تو میں نے فیکٹری میں اوور ٹائم لگانا شروع کر دیا۔ اوور ٹائم کی وجہ سے میں سلمہ سے زیادہ دیر تک دُور رہنے لگا تھا اور اُس کے ساتھ بیٹھنا اور خوش گپیاں کرنا بہت کم ہو گیا تھا لیکن میں مطمئن تھا کہ آمدن میں اضافہ تو ہو گیا اور زیادہ بہتر طریقے سے گھر چلنے لگا۔ سلمہ بھی بہت خوش رہنے لگی تھی۔ وہ بہترین لباس پہنتی، بنی ٹھنی رہتی اور ہر وقت مسکراتی رہتی۔ جبکہ اُس کے قیمتی کپڑوں کے برعکس میرا لباس وہی معمولی سا تھا اور میں کبھی کبھی سوچ میں پڑ جاتا کہ سلمہ نے کبھی یہ محسوس کیوں نہیں کیا۔'' (کریم باؤ بات کرتے کرتے رکتا ہے، مڑ کر رحمو کی طرف دیکھتا ہے جو بڑے غور سے اُس کی باتیں سن رہا ہے۔ کریم باؤ بات کو پھر جاری کرتا ہے۔)

''وہ بہت سرد رات تھی۔ میں اپنے دفتر میں حسبِ معمول اوور ٹائم پر کام کر رہا تھا۔ اُس روز میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی اور کام کرنے کو میرا دل نہیں چاہ رہا تھا، میرے سر میں سخت درد تھا، بدن ٹوٹ رہا تھا جیسے بخار ہو اور ہلکی ہلکی کھانسی بھی تھی۔ میں نے کام سمیٹا اور اُٹھ کر گھر کی طرف چل دیا۔ گھر پہنچتے پہنچتے مجھے دس بج گئے۔ میں ہمیشہ اپنے پاس گھر کے بیرونی دروازے کی ایک چابی رکھتا تھا کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ رات گئے جب

واپس آؤں تو سلمہ کو تکلیف دوں کہ وہ بستر سے نکل کر دروازے تک آئے۔ میں اپنی چابی سے دروازہ کھول کو خود ہی اندر آجایا کرتا تھا۔ اُس دن بھی میں نے دروازہ خود ہی کھولا اور گھر کے اندر آگیا۔ بیڈروم کے بند دروازے کے نیچے سے چھن چھن کر آتی ہوئی روشنی دیکھ کر میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ سلمہ ابھی تک جاگ رہی تھی۔ جب میں بیڈروم کے دروازے پر پہنچا تو مجھے اندر سے باتوں کی آواز آئی۔ میں حیران ہُوا کہ سلمہ کس کے ساتھ باتیں کر رہی ہے؟ میں نے کی ہول سے جھانک کر دیکھا تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ سلمہ ہمارے پڑوسی اجمل کے ساتھ بیڈ پر بیٹھی تھی۔ دونوں ہنس ہنس کر باتیں کر رہے تھے اور ایک دوسرے پر نثار ہُوئے جا رہے۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا، میں نے دروازے کو لات ماری اور کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہ دونوں مجھے دیکھ کر گبھرا گئے۔ غم وغصے کی وجہ سے میں پاگل ہو رہا تھا، میں تیزی سے کچن کی طرف پلٹا، چھری اُٹھائی اور واپس بیڈروم کی طرف لپکا۔ اجمل میرے واپس آنے سے پہلے وہاں سے بھاگ گیا لیکن سلمہ ایک کونے میں سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ میں اُس پر جھپٹا، وہ میری منتیں کرتی رہ گئی مگر میرے کان بہرے اور آنکھیں نابینا ہوچکی تھیں.... میں نے چھریوں کے پے درپے وار کرکے اُسے قتل کر دیا۔‘‘

(کریم باؤ، بات ختم کر کے رحمو کی طرف مڑتا ہے، اُس کے رخساروں پر بہتے ہوئے دو آنسو صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ رحمو گم صم بیٹھا ہے۔)

بائیسواں منظر:

(یہ گاؤں کی ایک چوپال کا منظر ہے۔ چار آوارہ لڑکے تاش کھیل رہے ہیں۔ ایک صحت مند خوش رو نوجوان، جس کے بدن پر دھوتی اور کُرتا ہے، اُن میں بہت نمایاں ہے۔ یہ رحمو کا بھائی راجو ہے، اُس کے بائیں ہاتھ میں تاش کے دس پتے ہیں، کچھ پتے لڑکوں کے درمیان ایک چٹائی پر اُلٹے پڑے ہیں، وہ اُن میں سے ایک پتہ اُٹھا کر بہت غور سے دیکھتا ہے، پھر اُسے اپنے ہاتھ میں موجود دس پتوں میں شامل کرتا ہے۔ اب اُس کے ہاتھ میں گیارہ پتے ہو جاتے ہیں، وہ اُن میں ایک پتہ نکال کر چٹائی پر اُلٹا پھینکتا ہے اور پر مسرت انداز میں چلّاتا ہے:)

راجو: بازی یہ بھی اپنی ہے۔ (باقی تینوں لڑکے بھی اپنے اپنے کارڈ چٹائی پر پھینک دیتے ہیں، اُن میں سے ایک لڑکا کہتا ہے:)

لڑکا 1: بازیاں ساری ہی تیری ہوتی ہیں راجو، کوئی تجھ سے نہیں جیت سکتا۔

لڑکا 2: مجھے یقین ہے یہ ہرا پھیری کرتا ہے۔

لڑکا 3: میرا بھی یہی خیال ہے ورنہ ہر بار کوئی کیسے جیت سکتا ہے؟

راجو: اوئے، راجو کبھی ہیرا پھیری نہیں کرتا۔ اب تو یہ بات کہہ دی ناں تم نے، آئندہ مت کہنا، سمجھے! (راجو غصے سے کہتا ہے اور اپنے ہاتھ کے باقی کارڈ بھی چٹائی پر پھینک کر وہاں سے چلا جاتا ہے۔)

لڑکا 1: (دوسرے لڑکو کو مخاطب کرتے ہُوئے) یارا، راجو بڑا کھرا بندہ ہے، اس کے بارے میں گمان نہ رکھو، یہ جیسا بھی ہے پر ہے بالکل خالص، جھوٹ نہیں بولتا۔

تیئسواں منظر:

(یہ گاؤں کی کسی حویلی کا منظر ہے، چار آوارہ لڑکے دو چارپائیوں پر بیٹھے ہیں۔ بھنگ کا بھرا ہوا جگ اُن کے سامنے پڑا ہے، وہ ہاتھ میں ایلومینیم کے گلاس پکڑے بھنگ پی رہے ہیں اور غل غپاڑہ کر رہے ہیں، راجو وہاں آتا ہے اور لڑکے اُسے دیکھتے ہی چلّاتے ہیں:)

لڑکا 1: آؤ آؤ راجو بادشاہ، تمہارا ہی انتظار تھا۔

لڑکا 2: جلدی آ یارا، تیرے بنا تو ہر محفل ادھوری اور بے رونق لگتی ہے۔

راجو: آ گیا... آ گیا یارو، تمہاری مہربانی ہے جو میرا بھی خیال رکھتے ہو ورنہ میں کہاں اور یہ موجاں کہاں۔

چوبیسواں منظر:

(گاؤں کے باہر قبرستان کے قریب ایک بہت بڑا برگد کا درخت ہے جس کی بڑی بڑی جڑیں لٹکتی ہوئی زمین تک آ رہی ہے۔ اُس درخت کے نیچے دو نشئی نشے والے سگریٹ پی رہے ہیں۔ درخت کی جڑیں اُن کے اُوپر جھول رہی ہیں۔ راجو وہاں سے گذرتے ہُوئے اُن کو دیکھ کر رُک جاتا ہے، اُسے دیکھ کر ایک نشئی اُسے مخاطب کرتا ہے)

نشئی 1: آؤ آؤ بادشاہو!.........سُوٹا لگاؤ۔(نشئی ایک آنکھ کے گوشے سے راجو کو دیکھتا ہے اور اتنا کہہ کر بے سدھ ہو جاتا ہے۔)

نشئی 2: کون ہے؟(نشئی اپنے ہاتھوں کو ہوا میں چلاتا ہے، اُس کے ہاتھ میں پہلے نشئی کا بازو آ جاتا ہے، وہ اُس کے بازو کو پکڑ کر یوں اُوپر نیچے ہلانا شروع کر دیتا ہے جیسے کسی نلکے کی ہتھی ہو، پھر بے خودی میں کہتا ہے) اوئے یہ کیسا نلکا ہے، پانی ہی نہیں آ رہا۔(اتنے میں پہلا نشئی کچھ ہوش میں آتا ہے اور اپنا بایاں ہاتھ دوسرے نشئی کی گردن پر جڑ دیتا ہے اور کہتا ہے:)

نشئی 1: اوئے مجھے بھی پانی پلاؤ، پیاس لگی ہے، کدھر ہے نلکا؟(وہ اپنے ہاتھ ہوا میں لہراتا ہے جیسے نلکے کی ہتھی ڈھونڈ رہا ہو، اُس کے ہاتھ میں برگد کی ایک لٹکتی ہوئی جڑ آ جاتی ہے، وہ گھبرا جاتا ہے اور خوف سے چیختا ہے)سانپ...سانپ...بھاگو...بھاگو۔بھاگو.......)

دونوں نشئی اپنی دانست میں بھاگ رہے ہیں مگر حقیقت میں وہ وہیں بیٹھے بیٹھے اُوپر نیچے کودرہے ہیں۔ راجو بہت دلچسپی سے اُن کی حرکات دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وہ اپنے بائیں ہاتھ کی دوانگلیاں منہ میں ڈال کر سیٹی بجاتا ہے۔ دونوں نشئی یکدم ساکن ہوجاتے ہیں۔دوسرا نشئی بڑبڑاتا ہے:)

نشئی 2: رُک جاؤ...رُک جاؤ...ہم ٹیشن (ریلوے سٹیشن) پہنچ گئے ہیں۔ گڈی آ گئی ہے، آؤ اُسے پکڑتے ہیں۔(وہ اُٹھ کر کھڑا ہوجاتا ہے، پہلا نشئی پیچھے سے اُس کی قمیض پڑلیتا ہےاور کہتا ہے:)

نشئی 1: گاڑی چلاؤ۔

نشئی 2: (آگے بڑھتا ہے،اپنا بایاں ہاتھ کھول کر منھ کے قریب ترچھا رکھتا ہےاوردائیں بازوکوآگے بڑھاتا ہے، نیچے لاتا ہے، پیچھے کرتا ہے پھرآگے بڑھاتا ہے جیسے ٹرین کے پہیوں کے ساتھ لگا ہُوا لیور حرکت کرتا ہے، وہ اپنے منہ کے قریب رکھے ہُوئے ہاتھ پر پھونک مارتا ہے اورٹرین کی آوازیں نکالتا ہے) چھک بم...چھک بم....چھک بم....چھک... چھک۔ (وہ چلنے لگتا ہےاور پہلا نشئی اُس کی قمیض کو پیچھے سے پکڑے اُسے کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، اچانک وہ راجو سے ٹکراتے ہیں۔ راجو اُن میں سے ایک کو پیچھے سے لات جڑتا ہےاوراپنی راہ لیتا ہے۔)

پچیسواں منظر:

(راجو، رحمو کے گھر کا بوسیدہ پردہ اُٹھا کر مکان میں داخل ہوتا ہے۔ سامنے صحن میں اُس کا بوڑھا اور بیمار باپ چارپائی پر لیٹا ہے۔ راجو سیدھا اُس کے پاس جاتا ہے۔)

راجو: سلام بابا۔

نذیر بابا: یہ تم ہو راجو؟ کہاں تھے پتر؟

(نذیر بابا اُٹھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن نقاہت کے باعث اُٹھ نہیں سکتا اور دوبارہ لیٹ جاتا ہے۔)

راجو: ہاں، میں ہی ہوں ابّا، تمہاری طبیعت کیسی ہے اب؟

نذیر بابا: (دکھی لہجے میں) تم گھر پر رہو تو تمہیں کچھ خبر ہو کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے۔ تمہیں تو اپنے بدمعاش یاروں بیلیوں سے ہی فرصت نہیں ملتی۔

راجو: مجھے سب خبر ہے بابا۔ میں نے بھایے کو ہر جگہ ڈھونڈا ہے مگر بیکار۔ پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے؟ کیا تمہیں کوئی نئی تازی معلوم ہوئی؟

بابا نذیر: ہائے میرا رحمو۔ (روتے ہُوئے) اُس کی کوئی خبر نہیں۔

راجو: کئی دن ہو گئے سبھی سنگی ساتھیوں سے بھی کہا اُسے ڈھونڈنے کو مگر...

بابا نذیر: اب تو جان لبوں پر آ گئی ہے راجو، وہ نہ آیا تو میں وی ٹُر جانا ای۔

راجو: یوں نہ کہہ بابا، وہ آ جائے گا۔ میں اُسے ڈھونڈ نکالوں گا، ضرور۔

بھرجائی کدھر ہے؟ (رحمو ادھر اُدھر نگاہ دوڑاتا ہے مگر نُوری کہیں نظر نہیں آتی۔)

بابا نذیر: نُوری نے کدھر جانا ہے پتر، اِدھر ہی کہیں ہوگی۔ تُو جا پتر، بھایے کو تلاش کر جیسے بھی ہو، ڈھونڈ لا اُس کو۔ (بابا نذیر رونے لگتا ہے، راجو سر جھکائے گھر سے باہر نکل جاتا ہے۔)

چھبیسواں منظر:

(یہ حوالات کا منظر ہے جہاں کریم باؤ حسبِ معمول گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھا ہے۔ رحمو قریب ہی فرش پر سو رہا ہے۔ حوالات کا بھاری دروازہ ہلکے سے شور کے ساتھ کھلتا ہے۔ کریم باؤ سر اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھتا ہے۔ ایک سپاہی دروازہ کھول کر اندر آتا ہے اور رحمو کو بڑی میٹھی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ اُس کے موٹے موٹے سیاہ ہونٹوں پر مسکراہٹ کھلی ہے۔ وہ بہت نرمی کے ساتھ رحمو کو مخاطب کرتا ہے:)

سپاہی: رحمو! اُٹھو میرے دوست، یہاں تمہارے مزید قیام کی اب ضرورت نہیں۔

(کریم باؤ خوشی سے چلّاتا ہے اور سوئے ہُوئے رحمو کو جھنجوڑتا ہے۔)

کریم باؤ: رحمو! رحمو! اُٹھو، سنو سنتری بادشاہ کیا کہہ رہے ہیں؟ تم آزاد ہو، اب تم گھر جا سکتے ہو۔

(رحمو اُٹھ بیٹھتا ہے اور کریم باؤ کو بے یقینی سے دیکھتا ہے۔)

رحمو: کیا کہہ رہے ہو کریم باؤ؟ کیا یہ سچ ہے؟

سپاہی: ہاں! یہ سچ ہے رحمو، پولیس تمہارے خلاف کوئی ٹھوس ثبوت حاصل نہیں کرسکی، نہ ہی چوڑیاں برآمد ہوئی ہیں اس لئے تمہیں بے گناہ سمجھ کر چھوڑنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ (سپاہی اپنے پیلے دانتوں کی نمائش کرتے ہُوئے کہتا ہے۔ رحمو خوشی سے بے قابو ہو کر بھنگڑے کے انداز میں ناچنے لگتا ہے۔ کریم باؤ بھی اُس کا ساتھ دیتا ہے۔ سپاہی اُن کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور وہ بھی بھنگڑے میں شامل ہو کر اُچھلنے کودنے لگتا ہے۔ تینوں آدمی ناچ رہے ہیں، ہُو ہُو ہاہا کا شور بلند ہے، اچانک رحمو رُک جاتا ہے اور حیرانی سے سپاہی کو دیکھنے لگتا ہے۔)

رحمو: (سپاہی سے) باؤ شپائی (باؤ سپاہی) آج تم بڑے مہربان ہو رہے ہو، خیریت تو ہے ناں؟

سپاہی: میں تو ہمیشہ سے ہی مہربان ہوں میرے دوست۔ مجھے نفرت مجرم سے ہے معصوم سے نہیں۔ اور جرم ثابت کرنے کے لئے ہمیں مجبوراً وہ سب کرنا پڑتا ہے جو ہمیں پسند نہیں۔ (سپاہی یہ کہہ کر پھر ناچنے لگتا ہے، رحمو اور

کریم باؤ بھی پھر شروع ہو جاتے ہیں۔ ہُو ہُو .... ہاہا........)

ستائیسواں منظر:

(اس منظر میں کئی چھوٹے چھوٹے مناظر ہیں، سب سے پہلے رحمو تھانے سے باہر نکلتا ہے اور کچھ دیر اِدھر اُدھر سڑکوں پر آوارہ گھومتا رہتا ہے، وہ بار بار مڑ کر پیچھے دیکھتا ہے کہ کہیں کوئی اُس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک فٹ پاتھ پر بنے ہُوئے چائے کے کھوکھے پر بیٹھ جاتا ہے اور وہاں سے چائے پیتا ہے۔ چائے پی کر وہ ایک سگریٹ خریدتا ہے اور کش لگاتا ہُوا بے مقصد ایک طرف چل پڑتا ہے۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے اور اطمینان سے ایک گلی میں مڑ جاتا ہے۔ مختلف گلیوں میں اِدھر اُدھر گھومنے کے بعد وہ پھر سڑک پر آ جاتا ہے۔ شام ہونے لگتی ہے، وہ آس پاس کا بہت محتاط انداز میں جائزہ لیتا ہے اور پوری طرح تسلی کر لینے کے بعد کہ کوئی اُس کا تعاقب نہیں کر رہا، وہ قبرستان کی طرف چل پڑتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہُوا قبرستان کے اندر موجود ایک بڑے سے درخت کے نیچے پہنچتا ہے۔ وہ ایک مرتبہ پھر گرد و پیش کا جائزہ لیتا ہے اور مطمئن ہو کر اُس درخت کی جڑ کو کھودنا شروع کر دیتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد دو چمکتی ہوئی سنہری چوڑیاں اور ایک چاقو اُس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اُس کی آنکھیں چمک اُٹھتی ہیں، وہ قریب لگے ہُوئے نلکے پر جا کر اُن کو دھوتا ہے اور اپنی دھوتی کی ڈب میں

احتیاط کے ساتھ رکھ لیتا ہے۔ پھر وہ تیزی سے سڑک کی جانب چلنے لگتا ہے۔ سڑک پر پہنچتے ہی ایک بس اُس کے قریب آ کر رُکتی ہے۔ وہ جلدی سے اُس میں سوار ہو جاتا ہے۔ رحمو کا ہاتھ اُس کی دھوتی کی ڈب پر جما ہُوا ہے۔ بس اُسے نہر کے پل پر اُتارتی ہے۔ وہ بس سے اُتر کر تاریکی میں نہر کے ساتھ ساتھ اپنے گاؤں کی طرف تیزی سے چلنے لگتا ہے۔

رات بہت گہری ہو چکی ہے۔ ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہُوا ہے، ماحول میں جھینگروں کی باریک اور تیکھی آوازیں گونج رہی ہیں۔ کبھی کبھار دُور سے کسی کتے کے بھونکنے کی آواز بھی آتی ہے۔ رحمو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا ہے۔ وہ ٹاٹ کے بوسیدہ پردے کو اُٹھا کر دروازہ کھٹکھٹانا چاہتا ہے مگر ہاتھ روک لیتا ہے۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ جاتی ہے۔ وہ دیوار کی طرف دیکھتا ہے، دیوار زیادہ اُونچی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر رکھتا ہے اور اچھل کر آہستہ سے دوسری طرف کود جاتا ہے۔ اُس کی نگاہوں کے سامنے اُس کا وہ کچا کمرہ ہوتا ہے جس میں وہ اور نُوری رہا کرتے تھے۔ دروازے کی جھریوں سے چراغ کی روشنی چھن چھن کر باہر آ رہی ہے۔ وہ مسکرا کر زیرِلب بڑبڑاتا ہے۔)

رحمو: نُوری جاگ رہی ہے۔

(رحمو کی نظریں دو چھوٹے چھوٹے کمروں کی طرف اُٹھتی ہیں جو گھر کے

دوسرے کونے میں ایک ساتھ بنے ہُوئے ہیں۔ اُن پر گہری تاریکی اور خاموشی کا راج ہے جیسے دو بوڑھے سردی میں چادر لپیٹے بیٹھے ہوں۔ رحمو اپنی دھوتی کی ڈب سے چوڑیاں نکالتا ہے جو اندھیرے میں بھی ہلکی ہلکی چمک دے رہی ہیں، اور اپنے کمرے کی طرف بڑھتا ہے۔ دروازے پر پہنچ کر وہ چونک جاتا ہے، کمرے کے اندر سے سرگوشیوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ وہ پریشان ہوکر دروازے کی جھری سے اندر جھانکتا ہے۔ دوسری طرف نُوری اور چھوٹا چوہدری سلطان ایک دوسرے میں گم، ہنس کھیل رہے ہوتے ہیں۔ رحمو کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے۔ چوڑیوں پر اُس کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے اور وہ زمین پر گر جاتی ہیں۔ وہ تیزی سے صحن میں پڑی ہوئی کلہاڑی کی طرف لپکتا ہے اور اُسے اُٹھا کر پھر کمرے کے دروازے کی طرف بڑھتا ہے۔ (یہ منظر سلو موشن میں چلتا ہے... رحمو کے قدم من من کے ہو رہے ہیں وہ دھیرے دھیرے چلتا ہُوا دروازے پر پہنچتا ہے اور کلہاڑی کو اپنے ہاتھوں پر تولتا ہے۔ اُس کے ذہن میں نُوری کا چہرہ اُبھرتا ہے، کبھی مسکراتا ہُوا، کبھی خوفزدہ.... وہ دروازے کو لات مارنا چاہتا ہے لیکن رک جاتا ہے۔ کلہاڑی کی طرف دیکھتا ہے اور پھر اُسے یوں ایک طرف پھینک دیتا ہے جیسے اُس کے ہاتھ میں کوئی سانپ ہو۔ کلہاڑی کے گرنے کی آواز گونجتی ہے۔ کمرے میں موجود نُوری اور سلطان چونک جاتے

ہیں۔ سلطان تیزی سے کمرے میں موجود کھڑکی کی طرف بڑھتا ہے جو گھر کے پچھواڑے میں کھلتی ہے، نُوری دروازے کی طرف لپکتی ہے اور کھول کر باہر آ جاتی ہے۔)

نُوری: کون ہے؟ کون ہے؟ (نُوری کی نظریں گھر کی دیوار کی طرف اُٹھتی ہیں جہاں ایک سایہ دیوار پھلانگنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے۔ سایہ دیوار پر چڑھتا ہے اور دوسری طرف کود جاتا ہے۔ نُوری اُسے پہچان جاتی ہے، اُس کے منہ سے سہمی سہمی سی آواز نکلتی ہے۔

نوری: رحمو! ....

نُوری تھکے تھکے قدموں سے کمرے کی طرف واپس لوٹتی ہے۔ اُس کی نظریں کلہاڑی پر پڑتی ہیں۔ وہ چونکتی ہے۔ اُس کی دوسری نظر کلہاڑی سے ذرا فاصلے پر پڑی ہوئی دو کنگن نما سونے کی چوڑیوں پر پڑتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھتی ہے اور اُنہیں اُٹھا کر دیکھنے لگتی ہے۔ اُس کی خالی خالی آنکھوں میں عجیب اُداسی اور محرومی چھا جاتی ہے، وہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگتی ہے۔)

اٹھائیسواں منظر:

رحمو درختوں کے ایک سلسلے کے بیچوں بیچ گرتا پڑتا ہُوا جا رہا ہے۔ پو پھوٹ رہی ہے، اُس کے قدموں تلے خشک پتے کراہ رہے ہیں، وہ مایوس اور محروم دکھائی دے رہا ہے۔ پس منظر میں تھیم سونگ چل رہا ہے:

تُو وچھڑی کیناں راواں وِچ
میں لبدا تینوں باواں وِچ
تن لبدے لبدے ڈُب جانا
ہنجواں دے دریاواں وِچ
جے ہتھ وچ تیرا ہتھ ہووے
مینوں مرنا وی آساں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں
اکھاں لگیاں سجناں راہواں تے
میں آیا آخر ساواں تے
اج بیٹھے بیٹھے مر جانا
سڑدیاں بلدیاں راہواں تے

اج دل کردا اے تُوں ہوویں
تیری زُلفاں دی اوچھاں ہووے
اک وکھری جئی کوئی تھاں ہووے
اِک تُوں ہوویں، اِک میں ہوواں۔

آخری منظر:

(اُسی پرانی حوالات کا منظر، حوالات کے اندر کریم باؤ حسبِ معمول سر جھکائے بیٹھا ہے، حوالات کا دروازہ کھلنے کی آواز آتی ہے۔ کریم باؤ سر اُٹھا کر دیکھتا ہے۔ ایک سپاہی رحمو کو حوالات کے اندر دھکا دیتا ہے اور بڑبڑاتا ہے۔

سپاہی: آخر تم نے اقرارِ جرم کر ہی لیا ناں، مجھے پہلے ہی یقین تھا۔ (سپاہی نفرت سے رحمو کی طرف دیکھتا ہے اور واپس مڑ جاتا ہے۔)

کریم باؤ: (بے یقینی سے رحمو کی طرف دیکھتے ہُوئے) یہ تم ہو رحمو؟ یہ پھر کیوں پکڑ لائے تمہیں؟

رحمو: (سر اُٹھا کر کریم باؤ کی طرف دیکھتے ہُوئے کہتا ہے) یہ نہیں مجھے پکڑ لائے کریم باؤ، میں خود ہی حاضر ہو گیا ہوں۔

کریم باؤ: کیوں؟ ارے کیوں؟

رحمو: میں نے چوڑیاں لوٹی تھیں جو وہیں کہیں قبرستان کی دیوار پھلانگتے ہُوئے گرگئی تھیں۔ میں نے اقرارِ جرم کرلیا ہے، کریم باؤ۔

کریم باؤ: مگر کیوں لوٹی تھیں اوراب؟ اب؟ یہ کیا ہے رحمو؟

(کریم باؤ کچھ نہ سمجھتے ہُوئے اُلجھ کر کہتا ہے۔)

رحمو: (فرش پر نگائیں گاڑے ہُوئے) ہاں یہ سچ ہے کریم باؤ... میری کہانی بھی تمہاری کہانی کی طرح ہے۔ بالکل تمہاری کہانی کی طرح.... فرق صرف یہ ہے کہ میں نے اپنی سلمہ کو قتل نہیں کیا۔ میں اُس سے محبت کرتا ہوں کریم باؤ۔ بہت محبت.........)

(رحمو پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتا ہے)

(اختتام)

سید حماد رضا بخاری